THE FOUNDER OF CHRISTIANITY

BY CANON W. H. T. GAIRDNER

مسیحیت کا بانی

مصنفہ

کینن ڈبلیو۔ ایچ۔ ٹی۔ گیرڈنر صاحب

مترجمہ

مسز ایف۔ ڈی۔ وارث صاحبہ

بی۔ اے۔ منشی فاضل

پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

Punjab Religious Book Society,

Anarkali, Lahore.

۱۹۳۷ء

۳۰۰۰

بار اول

مسیحیت کا بانی

مصنّفہ

کینن ڈبلیو ایچ ۔ ٹی ۔ گیرڈنر صاحب

مترجمہ

مسز ایف ۔ ڈی ۔ وارث صاحبہ
بی ۔ اے ۔ منشی فاضل

بار اوّل ۱۹۳۰ء ۳۰۰۰

مسیحیت کا بانی

بابِ اوّل

"یہ مسئلہ (یعنی خداوند یسوع مسیح کی تصلیب اور اُس کی موت) مسیحی مذہب میں کچھ اہمیت نہیں رکھتا اور یہ مذہب درحقیقت اسلام اور یہودیت کی مانند فقط ایک ایسا مذہب ہے جس کا مقصد محض عقیدہ وحدانیت اخلاق اور اصولِ اخلاق کی تعلیم وتلقین کرنا ہے۔"

(مندرجہ بالا عبارت قاہرہ کے ایک رسالہ سے مقتبس ہے)

(۱) قبل ازیں کہ ہم آگے بڑھیں یہ کہنا ضرور ہے کہ کوئی مسیحی عبارتِ مافوق کی صداقت سے انکار نہیں کرتا کیونکہ مسیحی مذہب واقعی ایک ایسا مذہب ہے "جو عقیدہ وحدانیت۔ اخلاق اور اصول اخلاق کی تعلیم وتلقین کرتا ہے" فرق صرف اتنا ہے کہ یہ عبارت مسیحی مذہب کے جملہ عقائد کا ذکر نہیں کرتی یا یہ الفاظ دیگر اس عبارت میں سے وہ الفاظ محذوف ہیں جو اہلِ نصاریٰ کے دیگر عقائد کا اظہار کرتے ہیں۔ مخالفین کا یہ دعویٰ کہ یہ عبارت مسیحیت کے تمام عقائد کو کافی اور کامل طور پر ظاہر کرتی ہے غلط ہے۔ لاریب یسوع اور اس کا مذہب ایک خدای واحد کا اعلان کرتے ہیں۔ لاریب وہ ایک نئی شریعت اور ایک نئے اصول اخلاق کو پیش کرتے ہیں۔ گو یہ ہر دو اسلام

اور یہودیت کی شریعت سے بالکل مختلف ہیں۔ واقعی مسیحیت نے ایسے اعلیٰ شخصی اور اجتماعی اخلاق کی تعلیم دی ہے جو حالانکہ اس رُوئے زمین پر مستحکم و برقرار ہے تو بھی فلک الافلاک کی بلندیوں تک پرواز کرتا ہے لیکن یہ خداوند مسیح کی تمام تر خدمت اور بشارت نہیں جو اُس نے اپنے حین حیات میں بنی آدم کو دی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تعلیم نہایت عجیب وغریب ہے لیکن یہ بذاتِ خود وہ کارِ عظیم نہیں جس کے انجام دینے کے لئے خداوند یسوع آیا بلکہ وہ اُس کا بیشتر اور اہم تر حصہ بھی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ممکن ہے کہ انبیائے عہدِ عتیق کے بعد اور کوئی نبی نہ آتا یا اگر عقیدہ وحدانیت۔ اخلاق اور اصولِ اخلاقؔ کی تعلیم کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے کسی کی آمد کی ضرورت بھی ہوتی تو وہ خداوند یسوع مسیح نہ ہوتا۔ درحقیقت مسیح کی آمد کا اصل مقصد یہ تھا کہ اِس دُنیا میں بنی نوع انسان کے لئے زندگی کا ایک ایسا خزانہ بہم پہنچائے جس کے ذریعہ سے ہر زمانہ بلکہ ابدیت کی سحر کے طلوع ہونے تک اخلاق اور اصولِ اخلاق نتیجتہً رُونما ہوں۔ یہ کہنا غیر ضروری سا معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی تعلیم سے بہتر، گراں مایہ تر اور عجیب تر اَور کوئی شے ہو سکتی ہے لیکن اس کا ذکر کرنا لازم ہے۔ کیونکہ جو کام مسیح نے انجام دیا وہ واقعی تمام دیگر اُمور سے برتر۔ اعلیٰ تر اور اہم تر ہے اس لئے کہ اُس کے ذریعہ سے رُوحِ انسانی اُس واحد خدا کے عین مرکز تک پہنچنے اور اخلاق اور اصول اخلاقؔ کے جس کا بہتر نام پاکیزگی ہے ثمر پیدا کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

(۲) یسوع مسیح نے اپنی خدمت کی پہلی منزل کے دَوران میں یعنی اپنی صلیبی مَوت اور اذیت کے اظہار سے پیشتر واقعی عقیدہ وحدانیت۔

اخلاق اور اصولِ اخلاق کی تعلیم دی لیکن وہ عقیدہ وحدانیت کیا تھا ؟ ایک باپ کا انکشاف جو خالق و مالک ہے ! اور وہ اصول اخلاق اور اخلاق کیا تھے ؟ محبّت کا "رُوحانی نیا قانون" اور پہاڑی وعظ کے نئے رُوحانی تصوّرات ! ذرا غور کیجئے اور دیکھیئے کہ اس موقع پر بھی یسُوع ایک اخلاقی فلسفی یا علم الٰہیات یا معاشرتی مُصلح یا ناصح بلکہ نبی یا رسُول کی مانند کلام نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایک ایسے شخص کی مانند کلام کرتا ہے جس میں انجام کار "خدا کی بادشاہی" کا آغاز و قیام ہونے کو ہے۔ خدا کی بادشاہی سے مُراد ہے رُوحانی حکومت جو سراسر برق و آتش کا ساز ور رکھتی ہے اور جس میں داخل ہونا نئی پیدائش کے بغیر ممکن نہیں۔ ایسی بادشاہی جو بوجہ اپنی ساخت و ترکیب کے یسُوع کے ساتھ منسوب ہے کیونکہ وہی اُس کا سرو سردار یا یہودی عبارت کے مطابق مسیح یا مسح کیا ہوُا بادشاہ ہے۔

مذکورہ بالا بیان مسیحیت کی اُس بے معنی۔ کمزور اور ناکافی تعریف کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے جس سے ہم نے اپنے مضمون کو شروع کیا تھا۔ بیان مافوق یسُوع کو نبی ہی نہیں بلکہ سراسر ایک زبردست قدرت قرار دیتا ہے۔ یہ حقیقت یسُوع مسیح کی ابتدائی تقاریر اور تعلیمات سے عجیب طور پر واضح ہوتی ہے۔ مثلاً ملاحظہ فرمائیے کہ پہاڑی وعظ میں وہ فوراً ایک نئے واضع شریعت یا مقنن اور ایک نئی تحریک وہ قدرت (متی ۷: ۲۲ کے الفاظ "تیرے نام سے") اور آخری منصف کی صورت میں نظر آتا ہے۔ یہ حقیقت اُن علامات سے بھی جو مسیح نے عالمِ قدرت پر اور نیز انواع واقسام کے امراض اور موت کی طاقتوں پر اپنا اختیار اور اقتدار ثابت کرنے کی غرض سے ظاہر کیں حیرت انگیز طریق پر آشکارا ہوتی ہے۔ چاہیئے کہ ہمارے

قارئین خدا کی بادشاہی کے اُس پُر زور اور ہلا دینے والے تصوّر پر غور کریں جو فوق الفطرت ہونے کے باوجود اس فطری دُنیا میں موجود ہے۔ اور یسوع مسیح سے جو اس بادشاہی کا سر و سردار ہے۔ فوق الفطری طور پر متعلق ہے اس وقت اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ بیان مسیحی مذہب کی ماہیت اور خداوند مسیح کے اصل مقصد کو پُورے طور پر ظاہر کرنے میں کس قدر قاصر ہے اور کہ اس کی ابتدا ہی غلط ہوئی یعنی اصل نکتہ محذوف ہے۔ اور ابھی تو اس اہم مسئلہ کا فقط آغاز ہی ہُوا ہے ہنوز بہت کچھ بیان کرنا باقی ہے۔ لہٰذا ہم اپنے ناظرین کو مخلصانہ صلاح دیتے ہیں کہ اسی نکتہ سے شروع کریں اور اس کو مدّ نظر رکھتے ہوئے انجیل جلیل کے ابتدائی ابواب کا مطالعہ کریں اور اس معلم اور ہادی کے "شاگرد بن جائیں جس کا انکشاف ان ابواب کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔" ان اشخاص کی رائے پر اکتفا نہ کریں جن کے خیالات و تصوّرات بمتعلق عقیدہ وحدانیت۔ اخلاق و اصولِ اخلاق "فقط ان ادنیٰ منازل تک محدود ہیں جو عالم قدرت سے علاقہ رکھتی ہیں۔"

خدا کی ابوّیت اور اُس کی بادشاہی کو بیان کرنے کے لئے ایک پیراگراف یا ایک مختصر سا باب کافی نہیں بلکہ اُس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

(۳) ہم نے اس حقیقت پر بخوبی غور کر لیا ہے کہ تصلیب و موت کا واقعہ تمام واقعات کے بعد وقوع میں آتا ہے (ایسا ہونا لازمی تھا) اور کہ کس طرح بتدریج اس اہم واقعہ تک رسائی ہوتی ہے ہم نے یہ بھی روشن کر دیا ہے کہ ان حقیقتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح کی صلیب اور موت

کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ اس معاملہ کے اس طور سے پیش کرنے سے ہی اس بحث کی غیر معقولیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ گویا ایسی بات ہے کہ کسی عمدہ ڈرامہ کا آخری منظر ہو۔ جس کے دیکھتے ہی حاضرین ورطۂ حیرت میں پڑ جائیں۔ مگر اس منظر کی اہمیت کا محض اس بنا پر انکار کر دیا جائے کہ اُس کی تیاری پس پردہ ہوئی ہے ممکن نہیں کہ کوئی بشر کسی اعلےٰ تصنیف یا کسی عمدہ نقل کے متعلق ایسی فضول رائے پیش کرے۔ یسوع مسیح کی زندگی بھی فنون لطیفہ کی بہترین مثال ہے لیکن مزید براں وہ ایک بزرگترین حقیقت بھی ہے جو اس سے پیشتر دُنیا کے معائنہ میں نہیں آئی۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ لوگ جو بیان مندرجہ بالا کی مانند اپنی سطحی آراء کا اظہار کرنے کے عادی ہیں اس بات کو سُن کر ذرا تامل کرینگے پس اس مقام پر ہم یہی کوشش کرینگے کہ اپنے ناظرین پر یہ ظاہر کریں کہ حالانکہ ان ابتدائی اعمال اور مناظر میں یہ افسوسناک واقعہ گویا پسِ پردہ تھا بلکہ اس کی تیاری بھی مثل ایک معما تھی تو بھی متعدد کنایات و اشارات موجود ہیں جو اس انتہائی منزل کی اہمیت پر دلالت کرتے ہیں۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اسی حقیقت کا انکار کیا جاتا اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ انتہائی منزل محض ایک واقعہ کا اختتام ہے اور بذاتِ خود کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ اس وقت ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ابتدائی منازل میں اُس کی جانب پنہاں اشارے ایسے معانی رکھتے ہیں جو اس بات کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

ان ابتدائی منازل میں اشاروں اور کنایوں کی دو وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ ہنوز وقت نہ آیا تھا کہ اس سے زیادہ اور کچھ ظاہر کیا جائے۔ واقعات کے اس سلسلہ کا جو اُس آخری اہم واقعہ کی جانب راہنمائی کرتا تھا ہنوز صاف اور صریح نقشہ کھینچا گیا تھا۔ نہ خدا اور نہ مسیح اور نہ ہی قدرت کا یہ خاصہ ہے کہ ارتقا کو جبراً

ترقی دے۔ جیسے کہ راقم الحروف نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ طفلی میں چاہا کہ شگوفہ کو جبراً کھول کر گل خوشرنگ بنا دے لیکن کامیاب نہ ہوا۔ ضرور تھا کہ اس المناک واقعہ کا خونیں گل سرخ خود بخود قدرتی طور پر وا ہو جائے جیسا کہ اس زمانہ اور مکان کی قید سے محدود کائنات میں تمام اشیا کو ترقی کرنا ہے۔ اس اثنا میں وہ شگوفہ گل کی صورت میں نمودار ہو گیا۔ لیکن چونکہ خداوند مسیح انجام سے واقف تھا لہذا وہ اپنے شاگردوں کو ایماؤں اور اشاروں کے ذریعہ سے مطلع کرتا رہا۔ اور ہم پڑھتے ہیں کہ اس کے زندہ ہونے کے بعد اس کے شاگردوں کو "یاد آیا" کہ اُس نے یہ کہا تھا اس سے اُنہوں نے اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جس کے متعلق اُن کے اُستاد نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ پُرمعنی طور پر کنایۃً ذکر کیا تھا۔

دوم یہ وجہ تھی کہ مسیح کے شاگرد اس دل شکن۔ حیرت انگیز خبر کا صدمہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ یعنی عوام کے ہاتھوں مسیح کی خوفناک اور مجرمانہ موت۔ ایسی اندوہ ناک خبر کا اعلان کرنا رُوحانی طور پر ناممکن تھا تاوقتیکہ اُس کے ساتھ اُن کی واقفیت دیرینہ نہ ہو جاتی اور اُس پر اُن کا یقین مستحکم اور موثق نہ ہو جاتا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اُستاد نے کامل ایک سال بلکہ غالباً دو سال اُس مختصر سی جماعت کے ساتھ صرف کئے تاکہ اُن کو بادشاہی کا نیا پیغام دے اور اُس کے اخلاق اور اصولِ اخلاق کو اُن کے ذہن نشین کر دے اور عقیدہ وحدانیت اور

۱؎ مثلاً یوحنا ۲ : ۱۹ میں مرقوم ہے "اس مقدس کو ڈھا دو تو میں اسے تین دن میں کھڑا کر دونگا"۔ پھر یوحنا ۳ : ۱۴ کو دیکھئے "جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں اونچے پر چڑھایا۔ اسی طرح ضرور ہے کہ ابنِ آدم بھی اونچے پر چڑھایا جائے"۔ لوقا ۵ : ۳۵ میں لکھا ہے "وہ دن آئینگے جب دلہا اُن سے جُدا کیا جائیگا"۔

خدا کی ابوّیت کا نیا سبق ان کو بخوبی سکھا دے۔ علاوہ ازیں ان کو یہ بھی تعلیم دے کہ وہ اس پر تکیہ کریں۔ اس کے اقتدار کو بخوبی جان لیں (متی ۷: ۲۰) اور اس طرح اُس پر کامل توکل اور اعتماد رکھیں یا بہ عبارت دیگر اُس پر ایمان لے آئیں۔ اس عرصہ کے اختتام پر وہ اُن کا امتحان لیتا ہے تاکہ معلوم کرلے کہ آیا وہ اس اہم سبق کی ابتدائی باتوں سے بھی واقف ہوئے ہیں یا نہیں۔ اُس نے اُن سے کہا "تم کیا سمجھتے ہو کہ مَیں کون ہوں"؟ زمانہ نہایت نازک اور تاریک تھا جو ہر دلعزیزی مسیح کو اپنی خدمت کے آغاز میں حاصل تھی وہ اب رفتہ رفتہ معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ قوم کے معلموں اور بزرگوں نے اُس کی مخالفت کرنے کا قطعی فیصلہ کرلیا تھا۔ علماء یہ فتویٰ دے چکے تھے کہ وہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا اور اُس کے قتل کے درپے تھے۔ عوام الناس کی ہمت کو خود خداوند مسیح نے پست کر دیا تھا بلکہ اس کے شاگردوں میں سے بھی بعض نے اُس سے تعلق قطع کر دیا تھا (یوحنا ۶: ۶۶) لہٰذا مذکورہ بالا تمام باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے پطرس کا جواب جو اُس نے ذیل کے الفاظ میں یعنی "تُو مسیح ہے" دیا۔ خود اُس کے اور اس کے رفیقوں کے کامل ایمان اور شخصی اعتماد اور یقین کا زبردست ثبوت تھا۔ الفاظ "تُو مسیح ہے" سے اُس کی مُراد یہ تھی کہ تُو خدا کا مسح کیا ہؤا بادشاہ ہے یا زمین و آسمان پر خدا کی بادشاہی کا سرو سردار تُو ہے (متی ۱۶: ۱۶) پطرس کا یہ جواب ایسا اعلیٰ تھا کہ مسیح خداوند نے فرمایا کہ "یہ بات میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر ظاہر کی ہے"۔ اب ذرا غور فرمائیے اور دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔ فکر و تردّد کا زمانہ گذر چکا ہے۔ جماعت امتحان میں کامیاب ہوچکی ہے اور تمام دُنیا کے خلاف ان کا ایمان ان کے اُستاد پر قائم اور برقرار رہا ہے لہٰذا اب وہ اس قابل ہیں کہ اس اہم ترین راز سے مطلع کئے جائیں یعنی اُن المناک اور عمیق اسرار سے واقف ہو

جائیں جو قبل ازیں اُن کو پریشان اور سراسیمہ کر دیتے تھے یا اُن کو سکتہ کے عالم میں ڈال دیتے تھے۔ اسی لئے کلام اللہ میں مرقوم ہے کہ پطرس کے اس پُر جوش اقرار اور مسیح کے دلکش جواب کے بعد سے "یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ اُسے ضرور ہے کہ یروشلیم کو جائے اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اُٹھائے اور قتل کیا جائے اور تیسرے دن جی اُٹھے۔"

ہمارے خیال میں مندرجہ بالا الفاظ کا بغور مطالعہ کرنے اور عبارت کے سباق وسباق سے دو باتیں بخوبی ظاہر ہوتی ہیں۔ اول یہ واضح ہوتا ہے کہ مسیح خداوند نے اپنی موت اور اپنے زندہ ہونے کی کامل تعلیم کو کیوں کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کیا۔ حالانکہ بہت مدت پیشتر کئی مرتبہ اُن کے متعلق اشارے دے گئے تھے بلکہ کنایتہً ان کی پیشینگوئی بھی کی تھی۔ دوم یہ کہ یہ تعلیم مسیح خداوند کے پیغام کا مرکز اور اصل جوہر تھی۔ وہ ایک راز تھا جو اس قدر حیرت انگیز۔ ایسا دردناک اور انسانی عقل وادراک کے دائرہ سے ایسا بالا تھا کہ وہ فقط ایسے اشخاص پر ظاہر کیا جا سکتا تھا جن کے گوش ہوش اس عجیب وغریب راز کی سماعت کے لئے پیشتر سے تیار کئے گئے تھے۔ وہ ایک ایسا گوہر بیش بہا تھا کہ اُس کا مالک اس کو ایسے اشخاص کو عاریتاً بھی نہ دے سکتا تھا جو اس کی قدر وقیمت سے ناواقف اور بے پروا تھے تو پھر غضب نہیں تو اور کیا ہے کہ اس اعلیٰ انکشاف کے متعلق کہا جائے کہ "یہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا"۔ ہماری دلی آرزو یہ ہے کہ اس ملک کے وہ لوگ جو یہی رائے رکھتے ہیں بلکہ اس حقیقت سے منکر ہیں انجیل جلیل کی ان حقیقتوں کے روشن کئے جانے سے یہ جان لیں کہ اُس خداوند کا تصور کس قدر وسیع تھا جو ایسی دردناک

موت مرا اور جو اس موت کے وقوع میں آنے سے پیشتر اُس کے اصلی معانی سے بخوبی آگاہ تھا اور اُس کی تعلیم پہلے سے دیتا رہا۔

باب دوم

آئیے ہم ان مذکورہ بالا حقیقتوں کے خلاصہ پر غور کریں:۔

(۱) یسوع نے اپنی خدمت کی ابتدا "خدا کی بادشاہی" کے متعلق تعلیم دینے سے کی۔

(۲) اُس نے اپنی خدمت کے آغاز کے کافی عرصہ بعد تک اس امر کو واضح طور پر بیان نہ کیا کہ اُس کی موت دنیا کو نجات دلانے کی تجویز کا ایک حصہ ہے اور ہم نے مکمل طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ یہ ہر دو حقیقتیں اس اعتراض یا نزاع کی تائید نہیں کرتیں جو اس ملک میں رائج ہے کہ مسیح کا پیغام "عقیدہ وحدانیت اخلاق اور اصولِ اخلاق" سے متعلق تھا۔ بلکہ وہ برعکس اس کے یہ ثابت کرتی ہیں کہ (۱) خدا کے کامل مکاشفہ میں جس کی وضاحت مسیح کی آمد کا مقصدِ خاص تھی خود مسیح خداوند کی شخصیت اور اُس کی ذات مرکزی اہمیت رکھتی ہے اور (۲) اس کی موت اُس کی شخصیت کے اعتبار سے بھی مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔ اس نکتہ سے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

اس باب میں ہم ان دونوں پہلوؤں کو ایک دوسرے کے قریب تر لائینگے۔ اور اُن کا لازمی اور ضروری تعلق ظاہر کرینگے۔ ہم خدا کی بادشاہی اور بادشاہ ممسوح کی موت کا باہمی رشتہ دکھا کر اور ان دونو کو باہم ملا کر ایک حقیقت کر دکھائینگے۔

ہمارے معزز ناظرین ذرا یاد فرمائیں اور دیکھیں کہ خدا کی بادشاہی سے متعلق مسیح کی تعلیم کی نسبت کیا کہا گیا ہے۔ اس بادشاہی کی ترکیب ایسی ہے کہ اس کی بیخ یا اصل تو عالم غیب یعنی آسمان پر ہے اور اس کی ظاہری صورت اور اعمال اس دُنیا میں ظاہر ہیں۔ لہٰذا یہ ایک رُوحانی مرکب ہے جس میں ازسرِنو زندگی یافتہ مرد و زن شامل ہیں۔ جس میں پیدائش کے دروازہ سے نہیں بلکہ نئی پیدائش یعنی رُوحانی پیدائش کے دروازہ سے اندر داخل ہوتا ہے اس بادشاہی کا سرو سردار بادشاہ ممسوح ہے جو نادیدہ معبود[۲] کا کامل انکشاف ہے۔ لہٰذا اس کا وکیل بھی۔ اس بادشاہی کی بنیاد وہ ممسوح وقت کے پُورا ہونے پر دُنیا میں قائم کرنے آیا تھا۔ مسیح خداوند دُنیا میں آیا اور بادشاہی کی بنا رکھی گئی۔ اس بنیاد کے قائم کرنے کی رسم قدرت و قوت کے عجیب و غریب اور قوی نشانات۔ حیرت انگیز۔ الٰہی اور جدید تعلیمات کے ساتھ ادا کی گئی۔ بلکہ سب سے بزرگترین معجزے یعنی ایک کامل اور پاک انسانی زندگی (جو خود یسوع مسیح کی تھی) کے دُنیا میں محبت کے غیر فانی دریا۔ پُر رحم اعمال اور پُر شفقت خدمت کے جاری کر دینے کے وسیلہ سے۔ مسیح یسوع اپنی زندگی اپنی اس تعلیم کے مطابق جو اُس نے پہاڑی وعظ کے دَوران میں اپنے شاگردوں کو دی بسر کرتا رہا۔ کیونکہ اس کا کام نہ صرف تعلیم دینا بلکہ لوگوں کے دلوں میں اس کا القا کرنا بھی تھا تاکہ وہ بھی اُسی طرح زندگی گذاریں

سلہ۔ اس وجہ سے وہ نسل۔ قوم اور ملک کی قیود سے آزاد ہیں۔ "زیتون کا درخت جو نہ مشرق نہ مغرب سے ہو" ۔ قرآن۔ سلہ[۲] اہل یہود "ابن اللہ" کے یہی معنی سمجھتے ہیں اور بس۔ لہٰذا یہ ان کے نزدیک کفر آمیز کلمہ نہ تھا بلکہ محض ایک بڑا لقب۔

اور اُس کے مطابق عمل کریں اور اس طور پر اس بادشاہی کی جنگ و فتوحات اُس کی ہدایت و رہنمائی کے ذریعہ سے انجام کو پہنچیں۔

مسیح کے شاگردوں پر ان دو حقیقتوں کا انکشاف کہ اُن کا دوست اور اُستاد اور ناصرت کا غریب نبی، ہی پُر جلال بادشاہ ممسوح تھا اور کہ اُس کا ردّ کیا جانا اور مجرم کی ہولناک موت مرنا پیشتر سے مقرر ہو چکا تھا دفعتہً ہوُا۔ "تم کیا کہتے ہو کہ میں کون ہوں؟ تو مسیح ہے۔" مبارک ہے تو شمعون بر یونا کیونکہ یہ انسان کی طرف سے تجھ پر ظاہر نہیں ہوُا۔" پھر مسیح نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا اور کہا کہ وہ کسی کو نہ بتائیں کہ وہ مسیح ہے۔ "اس وقت سے لے کر یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلیم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اُٹھاؤں اور قتل کیا جاؤں اور تیسرے دن جی اُٹھوں۔"

اس بات کا پہلا اثر جو اُن پر ہوُا اور جو بعد میں شاؤل پر یا ہم میں سے ہر ایک پر جو ان دو حقیقتوں کے باہمی اختلاف اور ناموافقت پر غور کرتے ہیں ہوتا ہے وہ یہ کہ انہوں نے اُن دونوں حقیقتوں کو ایک دوسرے کے بالکل برعکس اور برخلاف پایا۔ اُن کی سراسر ناموافقت کو دیکھ کر اُس کا یقین کرنا ان کو ناممکن معلوم ہوُا۔ بادشاہ ممسوح صلیب دیا جائے؟ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ روشنی و تجلی اور ظلمت و تاریکی اور ذلّت اور رُسوائی میں باہم کیا مطابقت و نسبت! لازمی فتح اور لابدی شکست میں کیا تطابق! یہ پہلا اثر شاگردوں کی زندگیوں میں سے مسیح کے حین حیات میں دُور نہ ہوُا کیونکہ وہ نہایت ہی عمیق اور زبردست تھا۔ لیکن بعد ازاں ایک اور اثر اُن پر غالب آیا اور اُسی اثر نے پولوس کو جو غیر قوموں کا رسُول تھا مغلوب کر لیا۔

یعنی اس ظاہری لعبید از قیاس حقیقت کی بزرگی و عظمت ہی اُس کی قدرت و قوت کی شان تھی۔ زمانہ اور ابدیت کے تمام معموں اور اسرار کا حل مسیح مصلوب کے راز میں پنہاں ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت شاگردوں کے لئے رُوئے زمین پر خدا کی بادشاہی کا مرکزی محرک بن گئی اور فی الواقع وہ ہے بھی یہی۔ جس طرح دو زبردست اجرام کے باہمی اختلاف اور تصادم سے اس قدر روشنی اور گرمی پیدا ہوتی ہے کہ تمام جہان کے لئے کافی ہوتی ہے بعینہ یہ نتیجہ گلگتہ میں ان دو تصورات یعنی بادشاہ ممسوح اور اس کی تصلیب کے باہمی تصادم سے رُونما ہوُا حالانکہ عالمِ موجودات پر ظلمت طاری ہو گئی۔ فرشتوں نے اپنے چہرے چھپالئے۔ آسمانی قوتیں گویا دم بخود ہو گئیں۔ لیکن اس تصادم کے ذریعہ سے ایسی طاقت و قوت برپا ہوئی جو تمام دُنیا کو نجات بخشنے اور تمام بنی آدم کو خدا تک پہنچانے کے لئے کافی ووافی ہے ان دونوں متضاد باتوں کے باہم ملنے سے یا تو یہ ہوتا جو اوپر بیان ہوُا ہے یا یہ ایک دوسرے کو بالکل منہدم کر دیتیں یعنی یا تو تصلیب کے ذریعہ سے مسیح کی مسیحائی معدوم ہو جاتی (بقول اہلِ یہود) اور یا (اہلِ اسلام کے خیال کے مطابق) مسیح کی مسیحائی کے باعث تصلیب کی تردید ہوتی۔ تاریخ ان ہر دو تصورات کو باطل ثابت کرتی ہے۔ یَں نے یسوع اور اُس کے پیرووُں کی تعلیم کی صحت و صداقت کو ظاہر کر دیا یعنی یہ کہ وہ بادشاہ ممسوح تھا لہٰذا (اُس کی ہستی کی وجہ سے نہیں) اس کا خلاف قدرت رد ہونا اور اُس کی خلاف قدرت مَوت ایسے واقعات ٹھہرتے ہیں جو نہایت پُر معنی ہیں بلکہ ایک ایسی تحریک وہ غیر محدود طاقت و قدرت جو زمانوں کے آخر تک دُنیا کو تحریک دینے اور اعلیٰ منازل تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ اُس افضل ترین ہستی کی زندگی کا بزرگترین واقعہ

اعلیٰ ترین قدرت اور بہترین مطلب و معنی کے علاوہ اور کیا رکھ سکتا تھا۔ اور یہی دونوں باتیں اس سے منتج ہوئیں اور اب تک اسی طرح برقرار ہیں۔

یسوع مسیح نے اپنی گرفتاری اور اپنے انکار کئے جانے سے پیشتر بادیانِ قوم کو ایک تمثیل کے ذریعہ سے اس امر کی صاف اور صریح تعلیم دی۔ یہ تمثیل خداوند کی تمام دیگر تمثیلات کی نسبت عمیق ترین اور زیادہ پُرمعنی ہے (مرقس ۱۲: ۱-۱۲)۔ اس تمثیل میں دُنیا کو ایسی زمین سے تشبیہ دیا جاتا ہے جو رفتہ رفتہ کاشت کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ اور کاشتکاری کا مرکز ایک انگورستان ہے یعنی خدا کی بادشاہی۔ انگورستان کے مالک سے خدا مراد ہے۔ وہ اپنے نوکروں (یعنی انبیا) کو یکے بعد دیگرے اپنے باغبانوں (یعنی قوم یہود) کے پاس بھیجتا ہے جو اب تک اس انگورستان میں کام کرتے رہے ہیں تاکہ وہ اُن سے اُس زمین کا جو بطور امانت اُن کو دی گئی تھی کرایہ وصول کرے۔ وہ دینے سے انکار کرتے اور اُس کے نوکروں میں سے بعض کو رد کرتے۔ بعض کو سنگسار کرتے اور بعض کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ بعدازاں وہ آتا ہے جو سب سے بزرگتر ہے یعنی اُس کا "پیارا بیٹا"۔ اُس نے آخرکار اُسے اُن کے پاس بھیجا۔ اس کی تشریح فقط یہ ہے کہ خدا نے بادشاہ ممسوح یعنی اپنے وکیل کو جو اُس کی بادشاہی کا سروسردار تھا دُنیا میں بھیجا ان لوگوں نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ خدا نے خیال کیا کہ "وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کرینگے"۔ لیکن نہیں۔ باغبانوں نے اُس کو بھی قتل کر دیا اور انگورستان سے باہر نکال دیا۔ آہ! یہ کیسی غضبناک اور مکروہ حرکت اُن سے سرزد ہوئی۔ کیا اب یہ ایسا موقع نہ تھا کہ زمین پر خدا کی بادشاہی کا خاتمہ ہو جائے یا ایسا موقع کہ اُس وقت الٰہی زور اور قدرت کا زبردست

ثبوت دیا جائے؟ اس بیان کے اختتام سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ کیسا موقع تھا۔ یسوع استعارہ اور تشبیہ سے کنارہ کرتا۔ اور زبور کی آیات دہراتا ہوا کہتا ہے۔ "وہ پتھر جس کو معماروں نے رد کیا کونے کے سرے کا پتھر بن گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری آنکھوں کو عجیب معلوم ہوتا ہے"۔ ناظرین ان الفاظ کے زور کو ضرور محسوس کرینگے۔ انگورستان کی ہولناک نقل کا آخری منظر ایک ایسی تصویر پیش نہیں کرتا جس میں ایک ذلیل زخمی اور خوار شخص کی لاش انگورستان کے باہر خاک میں پڑی دکھائی گئی ہو۔ بلکہ وہ زندگی اور قوت کی تازگی و شگفتگی پیش کرتا ہے یعنی بادشاہ ممسوح کی صداقت کا ثبوت۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ اس تاریک ترین معمے یعنی بادشاہ ممسوح کی تصلیب (۱۔کرنتھی باب ۲ کا ملاحظہ کریں) کی سختی اور سنگینی میں نور کی شدت مخفی ہے۔ اس پایہ کی شکست کا نتیجہ لازماً اور آخری فتح اور وہ بے پایاں الٰہی قدرت ہے جو نا ابد دستیاب ہو سکتی ہے۔

ہمارے خیال میں ہم اب اپنے ناظرین کے خیالات کو ایک ایسے اُستاد کے تصور سے جس کا پیغام محض عقیدہ وحدانیت۔ اخلاق اور اصول اخلاق ہو اور جس کی ذات اور مقدر اس کے پیغام کے لئے کچھ اہمیت نہ رکھتا ہو بلند تر پہنچا چکے ہیں۔

باب سوم

قبل ازینکہ ہم اپنے مضمون کو اور زیادہ طویل دیں ہم ایک ناظر کے جملات کو دُہرانا چاہتے ہیں۔

"یہ مسئلہ (یعنی یسُوع مسیح کی تصلیب اور مَوت) مسیحی مذہب میں کچھ اہمیت نہیں رکھتا جو واقعی اسلام اور یہودیت کی مانند ایک ایسا مذہب ہے جو عقیدہ وحدانیت۔ اخلاق اور اصول اخلاق کی تعلیم وتلقین کرتا ہے"۔

ہم نے پہلے ہی باب میں یہ واضح کر دیا تھا کہ خدا کی بادشاہی سے متعلق خداوند یسُوع مسیح کی تعلیم کس طور سے آپ کو ان الفاظ کے مفہوم سے بہت زیادہ آگے لے جاتی ہے۔

باب دوم میں ہم نے دکھایا ہے کہ کس طرح خداوند مسیح کا بادشاہ مسُوح ہونے کا دعویٰ آپ کو اس سے آگے لے جاتا ہے اور کہ کس طور پر بادشاہ مسُوح کی تصلیب" کا زبردست دعویٰ آپ کو اس سے بھی کہیں زیادہ دُور پہنچا دیتا ہے

ہم نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ مسیح خداوند اس ہولناک اور عظیم واقعہ کی جانب برابر اشارہ کرتا رہا۔ اور ہم نے یہ بھی روشن کر دیا تھا کہ کیوں اس کا پورا اور کامل انکشاف معرض التوا میں ڈالا گیا تھا اور رفتہ رفتہ ظاہر کیا گیا تھا اور آخر کار ہم نے اس امر کا بھی اظہار کیا تھا کہ کس طرح یہ عظیم واقعہ گویا ایک تحریک وہ طاقت تھا جس کے ذریعہ سے ایک رُوحانی قوت پیدا ہوئی۔ جس نے عقیدہ وحدانیت کو نئے معنی بخش دئے اور اخلاق اور اصولِ اخلاق کو جو پہلے ایک تعلیم۔ نظریہ اور فلسفہ تھا زندگی میں تبدیل کر دیا۔ اب ہم اس نکتہ سے آگے بڑھتے ہیں۔

اے "ناظر"۔ ہم آپ کے کس قدر قرضدار ہیں! اے نامعلوم ناظر ہمارے محبت کے جذبات آپ کے لئے جوش مارتے اور ہمارے دل سے آپ کے لئے دُعائے خیر نکلتی ہے! ہم آپ کی نسبت آپ کے زیادہ قرضدار ہیں کیونکہ آپ نے اپنے ایک جملہ کے ذریعہ سے ہم کو اس قابل بنا دیا کہ ہم اپنی رُوح کو آزاد کر سکتے"۔

ہیں۔ مناظرہ کے سنگ سخت پر آپ کے عصا کی شک آمیز ضرب نے اِن پانی کے چشموں کو جاری کر دیا۔ اے ناظر کاش کہ یہ آپ کے اور آپ کے ساتھ دیگر ناظرین کی رُوحوں کے باغات کو بھی سیراب کر دے۔ اے نامعلوم ناظر آپ کون ہیں؟ کیا آپ اپنے قرضداروں کو اپنا نام اور اپنا مسکن نہ بتائینگے؟

غیر حاضر بادشاہ۔ شریر رعایا اور رد کردہ نوکروں اور مقتول بیٹے کی تمثیل ہی مسیح خداوند کی زندگی کے ڈرامہ[1] میں سب سے اہم ترین واقعہ کی جانب مسیح خداوند کا واحد اشارہ نہ تھی۔ حالانکہ وہ دیگر اشارات کی نسبت زیادہ صریح اور روشن ہے بارہ شاگردوں کو اس پہلی مرتبہ آگاہ کر دینے اور کلوری پر مسیح کی زندگی کے اختتام کے درمیان جو عرصہ گزرا اُس میں خداوند یسوع نے کئی دفعہ اُس کی اور اس کے معانی کی جانب اشارے کئے۔ ہم اس باب میں انہیں پر اپنی توجہ کو مرکوز کرینگے۔ یہ خوب عیاں ہو چکا ہے کہ ہمارا واسطہ فقط حق اور حقیقت سے ہے یعنی پُرمعنی حقیقت سے۔ اصل مسیحیت کے تار اور پود سے نہ اس گلکاری سے جو اس پر کی گئی ہو۔ بعض اشخاص کی رائے کے خلاف جو یہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ کبھی وقوع ہی میں نہیں آیا یا اُس "ناظر" کے خیال کے برعکس جو یہ کہتا ہے کہ اگر وہ واقعہ ظہور پذیر ہُوا بھی تو مسیحی مذہب کے لئے یہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔

گلیل میں دو مرتبہ اور اس آخری سفر اور دَورہ[2] سے پیشتر جو یروشلیم میں تمام ہُوا۔ ہمارے خداوند نے اپنے شاگردوں کو آنے والے واقعہ سے مطلع کیا تھا۔ ان میں سے ایک میں اُس نے اُن کو یوحنا اصطباغی کی دردناک مَوت یاد دلائی تھی اور فرمایا تھا کہ جن ہاتھوں نے یوحنا کو ایذا پہنچائی تھی وہی ہاتھ نسل انسانی[3] کے سردار

---

[1] ڈرامہ کے معنی یونانی زبان میں محض فعل یا عمل کے ہیں۔

[2] متی ۱۷: ۹-۱۳ و ۲۲ و ۲۳۔ [3] یہودی عبارت ابن آدم۔

کو بھی ستانے اور ذلیل کرنے کو تھے۔ اُس آخری سفر میں مسیح نے کئی بار اپنی مَوت کا بیان کیا۔ ان آگاہیوں میں سے ایک کے الفاظ کی بے نظیر استہزا پر ذرا غور کیجئے "مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی چال چلنی ضرور ہے"۔ یعنی مُراد یہ ہے کہ جب تک مَیں یروشلیم کی حدود سے باہر ہوں تب تک مَیں محفوظ ہوں۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلیم کے باہر ہلاک ہو"۔ ہم بے نظیر اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اگر کوئی فسانہ نویس بعد میں انجیل کو لکھتا تو وہ اس طرح سے نہ لکھتا۔ نہیں! انشاپردازی اور مضمون نویسی کا معمولی سا علم بھی آپ کو یہ یقین دلا دیگا کہ یہ کلمہ ضرور کہا گیا ہوگا اور کہ ضرور خود یسُوع مسیح کی زبان مُبارک سے نکلا ہوگا۔ مستورات میں سے اس کی ایک پیرو نے پیش بینی کی راہ سے اور بیان سے باہر محبّت کے جوش میں مسیح کے سر اور پاؤں پر بیش قیمت عطر ملا تھا...... اور بعضوں کے اعتراض کرنے پر خداوند نے یُوں فرمایا کہ "اسے چھوڑ دو .... اُس نے دفن کے لئے میرے بدن پر پہلے سے عطر ملا"۔

پھر ایک مرتبہ مسیح کا کلام ہی اپنی شہادت آپ دیتا ہے کہ وہ خود مسیح کے دہن مُبارک سے اُس وقت اور اُس مقام پر نکلا تھا۔ موقع سے عین پیشتر نبی کی سنجیدہ پیشینگوئی کو یقین اور خوف کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ مریم کے فعل کے مُدعا اور خداوند کے کلام کے موافق اُس کے بدن پر اُس کے دفن کے لئے عطر ملا گیا تھا۔

علاوہ ازیں خداوند مسیح یروشلیم کے ہولناک حادثہ کو محض ایک حادثہ یا ہولناک حادثہ ہی نہ خیال کرتا تھا بلکہ وہ اُس کو ہمیشہ ایک پُر معنی واقعہ اور حادثۂ مَوت سمجھتا تھا جس کے دردوں کی وجہ سے نئی زندگی پیدا ہونے والی تھی۔ آئیے ہم ذرا اُن پُر صداقت الفاظ پر غور کریں جن کے ذریعہ سے اُس

نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"زندگی کی روٹی میں ہوں۔ جو روٹی میں جہان کی زندگی کے لئے دونگا وہ میرا گوشت ہے"۔[1] ایسے صاف اور صریح، پُر تاثیر اور پُر فہم کلام پر رائے زنی کرنا یا اس کی تشریح کرنا بالکل بے معنی اور فضول ہوگا۔ ایک زندگی نثار کی جاتی ہے۔ زندہ بدن اور گوشت بطور قربانی نذر کیا جاتا ہے یعنی تمام جہان کے لئے زندگی قربان کر دینے کا اعلیٰ اور بزرگ فعل عمل میں آنے کو ہے۔

یا ایسے کلام پر جس کی گہرائیاں نامعلوم ہیں۔ جس میں مختلف معانی موجود ہیں اور مختلف طریق پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جو ہمارے خداوند کے وردِ زبان اور اس کا پسندیدہ کلام تھا اور جو ہماری کتب میں چار مختلف مقامات میں چھ مرتبہ مرقوم ہے وہ۔ "جو اپنی جان کھوتا ہے اُسے پائیگا"۔ اول یہ خود یسوع مسیح پر عاید ہوتا ہے یعنی عین اُس موقع کے بعد جب اُس نے پہلی مرتبہ اپنے شاگردوں کو اپنی آنے والی شہادت سے مطلع کیا۔

"جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کے مر نہیں جاتا اکیلا رہتا ہے لیکن جب مر جاتا ہے تو بہت سا پھل لاتا ہے۔ جو اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے وہ اُسے کھو دیتا ہے اور جو دُنیا میں اپنی جان سے عداوت رکھتا ہے وہ اسے ہمیشہ کی زندگی کے لئے محفوظ رکھیگا"۔

پھر دیکھئے ایک ایسی مَوت جس کے ذریعہ سے زندگی بہ کثرت وجود میں آتی ہے۔

اور پھر:- "اچھا چرواہا میں ہوں۔ اچھا چرواہا بھیڑوں کے لئے اپنی

---

[1] درحقیقت یہ الفاظ مسیح کے اپنی مَوت سے پہلے اعلان سے پیشتر کہے گئے تھے۔ لیکن یہ درحقیقت اس موقع سے متعلق ہیں۔

جان دیتا ہے .... اور میں بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہوں"
اس کی تشریح کی کیا ضرورت ؟ سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ آپ کو پھر یاد دلایا جائے کہ فسانہ نویس اس طرح نہیں لکھتے" بالخصوص جبکہ واقع خلاف توقع ہوا ہو۔ پھر ملاحظہ فرمائیے۔ "ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے"۔
اِن تمام مذکورہ بالا مقامات میں ایک ہی خیال رائج ہے حالانکہ برق سے روشن تر استعارے جو مستعمل ہیں مختلف ہیں۔ یعنی چرواہا جو اپنی جان کو قربان کر دیتا ہے گیہوں کا دانہ جو زمین کے نیچے دفن کیا جاتا ہے روٹی جو کھائی گئی۔ جان جو بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دی گئی۔ خیال برابر یکساں ہے۔ موت جس کے ذریعہ سے بہتوں کو زندگی ملی۔

آخرکار وہ تمام لفظی تصویروں کا سلسلہ آخری شب کو ختم ہو جاتا اور اس کا اختتام بڑا شاندار ہوتا ہے کیونکہ اُس وقت مسیح نے اپنے معانی کے اظہار کے لئے نہ فقط الفاظ استعمال کئے بلکہ اُن کو عملی پیرایہ میں صاف اور واضح طور پر ظاہر کر دیا کیونکہ اُس آخری شام کو عشا کے وقت جبکہ تمام حاضرین کی نگاہیں اُس پر لگی تھیں ہمارے خداوند نے وہ الٰہی حقیقت ان کے ذہنوں میں آنکھوں کی راہ سے داخل کر دی نہ پہلے کی مانند کانوں کی راہ سے۔ یعنی اُس نے روٹی لی اور شکر کر کے توڑی اور یہ کہکر اُن کو دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے .... پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور اُنہیں دے کر کہا کہ تم سب اس میں سے پی لو۔ کیونکہ یہ عہد کا میرا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے"۔

اس موقع پر ہم نبی اور بادشاہ کے دِل کا مشاہدہ کرتے اور بنی آدم کے لئے اُس کی خدمت کے راز اور عجائب کا معائنہ کرتے ہیں۔ اب ہم نے اُس کے کلام کو سُن لیا۔ اُن تصویروں کو جو اُس نے پیش کیں اور اُس پُر معنی فعل کو بھی جو اُس نے کیا دیکھ لیا ہے اور ہم اُن تمام کے عجیب و غریب معانی کو بھی سمجھ گئے ہیں۔ آیئے اب اپنے دِل و دماغ کو ان معانی سے معمور کئے ہوئے ہم نہایت سنجیدگی و آہستگی سے اس جُملہ کو ایک مرتبہ پھر دُہرائیں تاکہ اُس کا پُورا کھوکھلاپن اور بے معنی ہونا خوب واضح ہو جائے۔

"یہ مسئلہ مسیحی مذہب میں کچھ اہمیت نہیں رکھتا جو بذاتِ خود اسلام اور یہودیت کی مانند فقط ایک ایسا مذہب ہے جو عقیدہ وحدانیت۔ اخلاق اور اصولِ اخلاق کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔"

یقیناً ناظر بھی ضرور وہی دیکھتا ہے جو خود مسیح نے دیکھا اور جس کی اُس نے کوشش کی کہ ناظر دیکھے!

باب چہارم

اب عمل خود وقوع میں آتا ہے۔ یعنی ایک بالکل خاموش عمل جو تمام زمانوں کی تمام تواریخ کا مرکزی واقعہ تھا۔ ہم اس واقعہ کے عجیب و غریب انجیلی بیان کے متعلق کچھ نہ کہینگے۔ نہ ہم اُن بے شمار ثبوتوں کو پیش کرینگے جو ہمارے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک معتبر اور اصلی حقیقت ہے کیونکہ ہمارا موضوع ہنوز یہ خیال ہے کہ "یہ مسئلہ مسیحی مذہب میں کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔" اور اس سے متعلق مسیح کی اذیت اور موت کے بیان پر ہماری تشریح

اور تنقید محض یہ ہوگی کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ باقی مسیحی بیان کے مقابلہ میں اس کی کیا مناسبت ہے۔ متی کی انجیل کا ⅓ حصہ۔ مرقس کا ⅓۔ لوقا کا ⅕ اور یوحنا کا ⅓۔ اس مناسبت سے یہ واقعہ جس کا عرصۂ وقوع شمار میں اتنے دن تھا جتنے سال باقی تمام مسیحی واقعات کو لگے! ذرا اس کا مقابلہ تاریخی مشاہیر کی موت کے بیانات کی طوالت سے کیجئے۔ بعض مقامات میں فقط ایک باب لیکن عموماً ایک پیرا یا چند سطور اُن کے لئے کافی ہیں۔ اس مناسبت سے یہ بیان کس قدر طول طویل ہے۔ کیا فقط یہی حقیقت اس غلط رائے یا خیال کی تردید کے لئے کافی نہیں؟ کیا یہ کافی ثبوت نہیں کہ یہ امر پہلے ہی سے صاف معلوم اور محسوس نہیں کیا گیا تھا کہ حضور مسیح کی موت دیگر مشاہیر تاریخ کی موت کے برعکس اہم ترین۔ پُر معنی۔ مرکزی اور لازمی تھی؟ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اس کے وقوع میں آنے سے پیشتر ہی خداوند مسیح نے خود اُس کا اظہار اس طرح نہ کیا تھا۔ بفرضِ محال اگر حضور مسیح غلطی پر ہوتے یعنی اگر واقعہ وقوع میں نہ آتا یا بے معنی۔ بے نتیجہ اور بالکل ہیچ ہوتا تو ہم تمام ناظرین سے بخدائے عزّ و جلّ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ ممکن تھا کہ انجیل نویس اس واقعہ کا بیان درج کرتے یا اگر کرتے بھی تو کیا وہ اُس کو اس قدر طوالت اور اہمیت دے کر اس طرح لکھتے جیسے اس وقت مرقوم ہے؟ نہیں۔ یہ فقط اس لئے یُوں مندرج ہُوا کہ وہ نتائج جو اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے سے فوراً منتج ہوئے خداوند کے کلمات کی صداقت کو ظاہر کرتے اور اس کے عمیق معنی اور غیر محدود اہمیت کو قائم کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اُس کا بیان کیفیات کی کثرت اور جذبات کے جوش و خروش اور گاہے گاہے ان کو ضبط کرتے ہوئے لکھا گیا اگر کلوری کا ہولناک واقعہ فقط تشبیہ بالفعل کے آخری کھیل کا آخری منظر

ہوتا جس کے پس پردہ محض تاریکی اور ظلمت کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو اُن کے جذبات سے فقط اُن کے آتشِ غم اور اندوہ کی شدّت اور حدّت اور اُن کی نااُمیدی کی انتہا ہی ظاہر ہوتی ۔ لیکن ..... !

اب ہم اپنے موضوع کے ایک اور حصّہ پر پہنچتے ہیں یعنی اس واقعہ کے معانی سے متعلق زندہ اور پُرجلال خداوند یسُوع مسیح کی تعلیم ۔

وہ اپنے وعدہ کے بموجب تیسرے روز مُردوں میں سے زندہ ہوگیا !

مُوت اپنی انتہائی طاقت اور قدرت صرف کرنے کے بعد بادشاہ ممسُوح کو اپنے قابو میں نہ رکھ سکی ۔ مُوت کی جسمانی فتح اس بہادر غازی مرد کی شکست سے جس نے حد سے زیادہ تکلیف برداشت کی مغلوب ہوگئی کیونکہ وہ شکست درحقیقت اخلاقی اور رُوحانی فتح تھی اور وہ رُوحانی فتح اس کے زندہ ہونے کے سبب سے جو فتحیاب ہوُا اور اُس کے اُس بدن کے جلالی ہونے کی وجہ سے جو صلیب پر پارہ پارہ کیا گیا تھا فوراً ظاہر اور روشن ہو گئی ۔

وہ کامل انسانی جسم ۔ شخصیت ۔ رُوح اور نفس لے کر تیسرے روز مُردوں میں سے زندہ ہوگیا ۔ ابن آدم اور اِس دُنیا میں عالم بشریت کا نمایندہ نادیدہ ۔ غیرفانی اور رُوحانی دُنیا کی جلالی حالت میں داخل ہونے کے لئے اسی دُنیا میں تیار کیا گیا اور عرصۂ قلیل کے بعد وہ واقعی اس میں داخل ہوگیا ۔

لیکن اُس عرصہ میں ہی اُس نے دُکھ سہنے کے بعد بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو اُن پر زندہ ظاہر بھی کیا ۔ چنانچہ وہ چالیس دن تک اُنہیں نظر آتا اور خدا کی بادشاہت کی باتیں کہتا رہا ۔" اور ان باتوں میں سب سے اول اور اہم ترین بات وہی تھی جو ہمارا موضوع ہے اور جس کے متعلق ہم کو یقین دلایا جاتا ہے کہ وہ مسیحی مذہب میں کچھ اہمیت نہیں رکھتی" یعنی

مسیح کی اذیت اور موت ۔ اُن چند مختصر ساعتوں کے معانی پر اُس فہمند مصیبت زدہ نے کیا فتویٰ لگایا ؟ کیا مسیح کو اس کا بہترین علم تھا یا اُس کو جو اس واقعہ کے ۱۰۰ سال بعد آیا یا اس بیسویں صدی کے ناظرین کو ؟ کیا اُس خاص عامل یا فاعل نے اس واقعہ کو غیر مناسب اور بے موقع کہا یعنی محض ایک رنج والم جس کو جس قدر جلد فراموش کر دیا جائے ۔ اُسی قدر بہتر ہو کیونکہ وہ ختم ہو چکا اور گیا گذرا ہوا ؟ سنئے اور خود انصاف کیجئے ۔

ہفتہ کے پہلے دن کے پچھلے پہر زندہ خداوند نے اپنے ان دو شاگردوں کو جو اُسے راہ میں ملے (یہ نہ جانتے ہوئے کہ کس سے گفتگو کر رہے ہیں) اور جو گذشتہ تین دنوں کی واردات کی وجہ سے خاموش ۔ خوفزدہ اور نہایت مایوسی کی حالت میں جا رہے تھے ۔ یوں فرمایا " اے نادانو اور نبیوں کی ساری باتوں کے ماننے میں سُست اعتقادو ! کیا مسیح کو یہ دُکھ اُٹھا کر اپنے جلال میں داخل ہونا ضرور نہ تھا ؟ پھر موسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سارے نوشتوں میں جتنی باتیں اس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں اُن کو سمجھا دیں " ۔ شام کو جب وہ اپنے شاگردوں کی تمام جماعت کے بیچ میں جا حاضر ہوا تو اس وقت بھی اُس کا مضمون یہی تھا ۔ اُس نے فرمایا کہ " یوں لکھا ہے کہ مسیح دُکھ اُٹھائیگا اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھیگا ..... ساری قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی اس کے نام سے کی جائیگی ۔ تم ان باتوں کے گواہ ہو " ۔

اِن باتوں سے مُراد ہے کلوری کی صلیب پر یسُوع کی موت ۔ بدن کا توڑا جانا اور خون کا بہایا جانا جو اُس کے آخری شام کے کلام کے مطابق خدا اور انسان کے درمیان نئے عہد کو پاک ٹھہراتا ہے اور اُسی کے زور پر توبہ

اور گناہوں کی معافی کی عالمگیر منادی ممکن ہوئی اور اُس کے انجام دینے کا خاص حکم دیا گیا۔ اس عالمگیر مہم کا آغاز ان اشخاص نے کیا جو ان باتوں کے چشم دید گواہ تھے۔ اور یہ کام اب تک جاری ہے بلکہ دنیا کے آخر تک اسی طرح برابر جاری رہیگا۔

عقیدہ وحدانیت۔ اخلاق اور اصول اخلاق۔ یہ تمام تو یہودی مذہب کے لائحۂ عمل میں صدیوں سے شامل تھے۔ اگر خدا کا مُدعا اور مقصد فقط یہی ہوتا تو مسیحیت کا آغاز ہی نہ ہوتا اور نہ ہی مسیح اس دُنیا میں آتا۔ لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ جس بات کو ناظر اور وہ تمام جن کا وہ نمائندہ ہے۔ غیر ضروری تصوّر کرتے ہیں وہی در حقیقت مسیحیت کا ذاتی۔ اصلی اور حقیقی جوہر بلکہ مسیحیت کی جان ہے یعنی اُس کے نام سے ہاں اس مصلوب اور پُر جلال شاہ ممسوح کے نام سے عالمگیر توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی ہوتی ہے۔ اُس کے ذریعہ سے دُنیا میں خدا کی بادشاہی قدرت اور بڑی شان کے ساتھ آئی اور نسل انسانی کے لئے اُس بادشاہی میں ایک نئی الٰہی زندگی ممکن ہو ہوگئی یعنی ان تمام کے لئے جو خدا کے مسیح کا یقین کریں اور شکر گذاری اور جوش محبت کے ساتھ اپنے دل وجان سے یا بہ الفاظ دیگر ایمان کے ساتھ اس کو قبول کریں۔

خدا کا پیغام یہی تھا۔ خدا نہ کرے کہ کوئی "ناظر" کے پیغام کو اس پیغام پر ترجیح دے۔

بابِ پنجم

اب ہمارا کام واقعی ختم ہو چکا ہے۔ ہم نے خدا کا پیغام سُن لیا ہے۔ ہم نے شاہ ممسوح کو بادشاہی کے فرزندوں کو حکم دیتے سُن لیا اور ہم نے ان کو اس کارِ عظیم کو شروع کرتے بھی دیکھ لیا ہے۔ لیکن ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس آخری باب کو اس امر کے لئے وقف کر دیں کہ دریافت کریں اور دیکھیں کہ مسیح کے شاگردوں نے اُس حکم پر کس قدر غور کیا اور کہ ان کے غور و خوص کے نتائج کیا تھے۔

شاگردوں نے فی الواقع مسیح کی رُوح کی مدد سے جوان کے اندر تھی اس حکم پر غور کیا اور انجیل جلیل کی دیگر کُتب اُن کے غور و فکر اور رُوح کے انکشافات کے بیانات سے پُر ہیں۔ یہ کوئی حیرت افزا بات نہیں کہ اُن کے غور و فکر اور ان کُتب کا مرکزی مضمون حضور مسیح کی مَوت اور اُن کے جلال میں داخل ہونے اور اُن کے معنی کی خوبی اور کثرت ہے۔ وہ کونسی بات تھی جو خدا اور ان تمام باتوں کی تہ میں تھی جس نے اس مَوت کو طلب کیا؟ اور کیوں اُس کے انجام پانے سے تمام بنی آدم کے گناہوں کے لئے خدا کی معافی اور مغفرت کا پیغام جاری ہُوا؟

اِن تمام افکار کے عام طریق اور سلسلہ کو معلوم کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہم شاؤل ترسی کی تاریخ پر غور کریں۔

شاؤل ایک یہودی جوان تھا جس کے دِل میں اپنے عقیدہ وحدانیت اخلاق اور اصول اخلاق والے مذہب کے لئے ازحد جوش اور بڑی غیرت تھی۔ اور گو اُس کی رُوح کو تسکین و اطمینان کلّی حاصل نہ تھا تو بھی وہ اپنی اس

حالت بیقراری کو اپنے مذہب سے منسوب نہ کرتا تھا۔ اس نوجوان نے کچھ عرصہ گذرے اپنے زمانہ کے دستور کے مطابق اپنی یونیورسٹی کے اعلیٰ امتحان میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اُس نے یروشلم سے دُور واقعہ زیر بحث کے متعلق سُنا۔ اُس کے نزدیک ایک کافر باطل دعویدار کا لائق و واجب انجام کلوری ہی تھا۔ شاؤل نے ضرور خدا کا شکر کیا ہوگا کہ اس واقعہ کا خاتمہ ہوگیا اور وہ جاتا رہا اور مرور زمانہ کے ساتھ ہی اُس کی یاد بھی مفقود ہو جائیگی۔ لیکن اس کی حیرت اور اس کے غیض وغضب کی کچھ انتہا نہ ہوگی جبکہ اُسے معلوم ہؤا ہوگا کہ اس قتل شدہ مجرم کے پیروؤں نے ایک جماعت قائم کر لی ہے اور وہ دوسروں کو لیقین دلایا چاہتے ہیں کہ اُن کا اُستاد مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور جلال کے ساتھ زندہ ہے اور کہ اُن تمام واقعات کے بعد وہ ہاں فقط وہی اسرائیل کا بادشاہ مسیح ہے! وہ متعصب پُرجوش نوجوان فوراً اس گروہ کا پیشوا بن گیا جو مسیح کے پیروؤں کی مخالفت نہایت سرگرمی کے ساتھ کر رہی تھی۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ ہنوز جبکہ یہ گروہ محض ایک کمزور سے پودے کی مانند ہے اس کی بیخ کنی کردی جائے اس سے پیشتر کہ وہ نشو و نما پائے اور پھیل جائے۔

مذکورہ بالا جماعت کا سرگروہ اور اس کا اشاعت کرنے والا استفنس نامی ایک شخص تھا۔ لہٰذا وہ گرفتار کر لیا گیا اور اس سے پرسش ہونے لگی۔ اُس کے جوابات سے تمام لوگوں کے غصہ اور غضب کی آگ شعلہ زن ہوگئی اور ایک جم غفیر نے بمع گواہوں اور شاؤل کے اُس کو سنگسار کر کے جان سے مار دیا۔ شاؤل اس آخری منظر کا چشم دید گواہ تھا۔ اُس نے ستفنس کو نہایت استقلال کے ساتھ آسمان کی جانب دیکھتے اور یہ کہتے سُنا دیکھو میں آسمان کو کھلا ہؤا اور ابنِ آدم کو خدا کی دہنی طرف کھڑا دیکھتا ہوں۔" سنگسار کئے جانے کے بعد جب

ستفنس زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور قبل ازینکہ اس کا مرغ رُوح اس قفس عنصری سے پرواز کرے شاؤل نے اُس کو یہ آخری الفاظ کہتے سُنا "اے خداوند یسُوع میری رُوح کو قبول کر" اور "اے خداوند یہ گناہ تو اُن کے ذمہ نہ لگا"۔

الفاظ مافوق کس قدر پُر معانی۔ بعید از قیاس اور عجیب وغریب ہیں لیکن شاؤل اور اس جماعت کے مابین جو متنازعہ بات تھی اس کے لئے عین مناسب اور بامحل۔ یہ الفاظ شاؤل کے لوح ذہن پر نقش ہو گئے اور وہ وہاں سے رخصت ہؤا

وہ نہایت جوش اور تعصب سے معمور فوراً روانہ ہوتا ہے تاکہ اُس جماعت کی بیخ کنی کرے اور اس مقصد کے لئے اس کو دمشق جانا پڑتا ہے کیونکہ اُس جماعت کے شرکاء اس عرصۂ قلیل میں وہاں تک پہنچ گئے تھے

بیرون از شہر اُس کو اس جلالی مسیح کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔ وہ اُس کے مبارک چہرے کو دیکھتا اور اُس کی دلسوز آواز کو سُنتا ہے جس وقت اُس نورانی منظر سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں تو اُس نے چلا کر کہا۔ "اے خداوند تو کون ہے"؟ جواب ملا۔ "مَیں یسُوع ہوں جس کو تُو ستاتا ہے۔"

شاؤل کو فوراً خیال گذرا کہ ستفنس راستی پر تھا۔ یسُوع مصلوب ہونے کے باوجود بھی مسیح موعود تھا! یہ ایک حقیقت تھی جس کا اُس وقت قبول کرنا لازم تھا۔ اُس کے معانی کے متعلق بعد میں دریافت کیا جا سکتا تھا اور شاؤل نے اُس کو تسلیم کر لیا اور خود اس جماعت کا شریک بن گیا جو یسُوع ناصری کو پُر جلال شاہ مسیح مانتی تھی۔

لیکن وہ صلیب پر کیوں چڑھایا گیا تھا؟ مصلوب مسیح کی عجیب وغریب اور بیرون از قیاس ظاہری باطل لیکن دراصل صحیح حقیقت کا حل ابھی نہ ہؤا تھا بپتسمہ پانے کے بعد شاؤل کو دُنیا سے علیحدہ ہونے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ اِس تمام ماجرے

پر بخوبی غور کر سکے۔

لہٰذا وہ صحرا میں تنہا نکل گیا اور وہاں تقریباً تین سال تک دُعا کرتا اور غور و فکر کرتا رہا۔ آخر کار اُس نے اپنی رُوح کے دروازہ کو کھول دیا" تاکہ نُورِ حق کو اندر آنے دے۔

اُس نور کا بیان جو اُس نے حاصل کیا تھا اُس کے تیرہ خطوط میں جو رسولوں کے اعمال" کی کتاب کے بعد انجیل جلیل میں مندرج ہیں موجود ہے اور خود اعمال کی کتاب میں بھی پایا جاتا ہے۔ اُن میں خداوند یشوع مسیح کی موت کے اندرونی معانی کی تشریح کی گئی ہے۔

کیا آپ نے کبھی کسی عضو کے ذرہ کا خوردبین کے نیچے مشاہدہ کیا ہے؟ آپ کو اپنی آنکھ سے محض ایک نقطہ سا نظر آتا ہے۔ لیکن اُس کی ترکیب وغیرہ آپ کی آنکھ سے نہاں ہے۔ آپ اس کو خوردبین کے نیچے رکھتے ہیں اور زبردست روشنی اس پر ڈالتے ہیں اور اُس کی کامل ساخت کی گویا ایک دُنیا سی آپ کی نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ پھر آپ ایک اور زبردست تر خوردبین کے نیچے اس کا معائنہ کرتے ہیں جس کے ذریعے آپ اور زیادہ روشنی اُس پر ڈالتے ہیں اور قدرت کی عجیب و غریب اور حیرت انگیز کاریگری آپ کی آنکھوں کے سامنے عیاں ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ اور زیادہ طاقتور خوردبین کا استعمال کریں تو اُس حصہ کے اور اور عجائب ظاہر ہونے جائینگے۔ حتیٰ کہ آپ انسان کی قوتِ توسیع کی انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور جُوں جُوں آپ مزید غور کرتے جائیں تُوں تُوں اس ذرّہ کی ساخت کی جدید اور عجیب باتوں کا معائنہ کرینگے ظاہر ہے کہ باوجودیکہ آپ اپنی قوتِ بصارت کی انتہا تک پہنچ جاتے ہیں تو بھی اُس کی ساخت کی تفصیل کی انتہا تک آپ کی رسائی نہیں ہوتی۔

جو کچھ آپ نے مشاہدہ کیا ہے وہ اس ذرّہ میں شروع سے موجود تھا لیکن آپکی نظروں سے پنہاں تھا۔ بعینہ اس واقعہ کا حال تھا یعنی مسیح کی موت کے معاملہ کا۔ جُوں

ہی اس کے معانی چند ایک اشخاص پر ظاہر ہو گئے انہوں نے خدا کی رُوح پاک کی بیشتر روشنی میں اس کا مشاہدہ کیا اور فوراً اس کے اندرونی معانی اور اس کی حقیقت آن کو نظر آنے لگی بلکہ اور بھی زیادہ واضح ہوتی گئی۔

بائبل شریف میں رسُولوں کے اعمال کی کتاب سے لے کر مکاشفہ تک میں اس کے بیانات مرقوم ہیں۔ لیکن یقین جانئے کہ انسان کی اعلیٰ ترین مساعی اور الٰہی امداد کے باوجود بھی اس محدود اور ناقص علم کی پشت کے پیچھے ہنوز بہت کچھ پنہاں ہے۔ اس محدود دُنیا میں غیر محدود حقیقت کے اسرار مخفی ہیں جن کے معانی فقط غیر فانی دنیا کی روشنی میں ظاہر ہوں گے۔

شاؤل (جو بعد میں پولوس کہلایا) اور ان دیگر اشخاص کے مشاہدہ کا جنہوں نے کلوری کے واقعہ کو خدا کی رُوح پاک کی خوردبین کے نیچے دیکھا خلاصہ ذیل میں ہے۔

مسیح کی موت خود اُس کے لئے نہ تھی بلکہ تمام دُنیا۔ تمام بنی آدم اور کُل نسل انسانی اور ہر ایک فرد بشر کے لئے جُداگانہ تھی اور میرے لئے تھی۔

وہ گُناہ کے لئے تھی۔ تمام جہان۔ تمام بنی آدم۔ تمام نسل انسانی اور ہر ایک فرد بشر کے گناہوں کے لئے تھی جس میں "میں" بھی شامل ہوں۔

اس گنہگار نسل کا گناہ دُنیا میں خدا کی بادشاہی کے قائم ہونے کے راستہ میں سدِ راہ تھا یعنی گناہ خدا اور انسان کے درمیان حائل تھا پس لازم تھا کہ وہ معاف کیا جائے اور دُور و دفع کیا جائے تاکہ خدا کی بادشاہی جو راستبازی کی بادشاہی ہے دُنیا میں آ جائے اور خدا اور انسان۔ بادشاہ اور اُس کی رعایا اور باپ جو بادشاہ ہے اُس کے اور اس کے فرزندوں کے درمیان کوئی شے مانع نہ ہو۔

اس سے مُراد توبہ اور مغفرت و معافی کی عالمگیر منادی ہے۔

لیکن یہ کس طرح ممکن ہو سکتا تھا جبکہ ہنوز گناہ کا فیصلہ ہی نہیں ہوا

تھا. یعنی جب تک کہ انسانی دِل کو اُس کی اصلیت کی صحیح شناخت حاصل نہ ہوئی ہو اور تاوقتیکہ اس کی سزا و انجام پورے طور پر معلوم نہ ہوُا ہو؟

وہ معافی و مغفرت کس قسم کی ہوگی؟ اس بادشاہی کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس خدا سے کس قسم کی پاکی اور قدسیّت منسوب کی جائیگی؟

نہیں. گناہ کا فیصلہ اور انصاف ضرور ہونا چاہیئے اور اُس کی اصلیت کے متعلق انسان کو کامل علم ہونا چاہیئے اور اُس کی سزا و جزا کے متعلق بھی اُسے ناواقف نہیں رہنا چاہیئے۔

اُس کی سزا موت ہے یعنی عذاب اور تاریکی کی مَوت۔

یہ سزا انسان کی برداشت سے باہر تھی اور نہ ہی یہ سزا انسان کو دی جاسکتی تھی۔

شاہ ممسوح نے جو نسلِ انسانی کا کامل نمایندہ تھا انسان کے لئے اپنی محبت کے باعث فرمایا کہ اِس سزا کو مجھ پر نازل ہونے دو" اور خدا کو دُنیا کے ساتھ ایسی محبت تھی کہ اُس نے اُس کو دُنیا میں بھیج دیا تاکہ وہ اسی مقصد کے لئے انسان بنے۔

خدا کی تمام محبت اور اس کی تمام قُدسیّت اُس شاہ ممسوح میں مجسّم تھی۔ بالضرور خدا اُس میں موجود تھا۔ لہٰذا مصلوب شاہ ممسوح میں خدا کی کامل قدسیّت اور اس کی کامل محبّت ہر دو کا انکشاف ہوُا یعنی تمام دُنیا نے مکان اور زمان کی تماشہ گاہ پر اُس کا مشاہدہ کیا۔

جنہوں نے اس پیغام کو قبول کیا انہوں نے دُنیا کے تمام اکناف و اطراف میں اُس کی اشاعت کی۔ اس طور سے انسان نے اپنے گناہ کی وسعت اور خدا کی محبّت کی عظمت کو دیکھ لیا۔ قوموں نے اُس کا مشاہدہ کیا۔ ہر فردِ بشر نے

جداگانہ اِس کو محسوس کیا کہ مجھ پر بھی یہ حقیقت ظاہر ہو گئی جو میرے لئے اور تمام دُنیا کے لئے ہے۔

پس ہر رُوح کا جو مصلوب شاہ ممسوح کا دیدار حاصل کر کے بیدار ہو چکی ہے فرضِ اولین یہ ہے کہ اپنے آپ کو اُس کے قدموں پر نثار کرے اور اپنے تئیں اُس کے سپرد کر کے اپنے تمام دِل و جان اور پُوری طاقت و ہمت اور کامل شکر گزاری اور محبت و فریفتگی کے ساتھ اس سے وابستہ و پیوستہ ہو جائے۔ اسی سپردگی و ایثار نفسی اور مسیح کے ساتھ پیوستگی کا نام ایمان ہے اور بس۔ اور خدا کا وہ فعل جو یسُوع مسیح کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے فضل کہلاتا ہے۔

ہر ایک رُوح جو شاہِ ممسوح کے ساتھ پیوستہ ہو جاتی ہے لازماً ایک نیا مخلوق بن جاتی ہے کیونکہ وہ دونوں باہم ایک ہو جاتے ہیں پُرانی زندگی مر جاتی ہے کیونکہ مسیح مصلوب کے ساتھ ایک ہو جانے سے انسان مصلوب ہو جاتا اور اُس کے گناہوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور پُرجلال یسُوع کے ساتھ پیوست ہو جانے سے وہ محبت اور پاکیزگی کی نئی زندگی بسر کرتا ہے۔ یعنی خدا کی بادشاہی کی زندگی۔

جب کلوری کا واقعہ وقوع میں آیا تو کلوری کی بھی یہی حالت ہوئی تھی۔ گویا کلوری ایک ایسی شے تھی جو خدا کی رُوح کی خوردبین کے نیچے مشاہدہ کی گئی تھی اور عبارتِ مافوق اس شے کی وسعت و بزرگی کا ایک مختصر سا بیان ہے۔ ضرور نہیں کہ جملہ بنی آدم اس تمام بات کا معائنہ کریں لیکن ہاں وہ تمام مسیح مصلوب کو پائینگے اور ممکن ہے کہ بعض اس سے بھی زیادہ دیکھ سکیں۔ لیکن تمام ماجرا اس زندگی میں دیکھ لینا امر

ناممکن ہے۔

خیر۔ چاہے اس زندگی میں یا عالمِ ابدیت میں۔ چاہے پولوس کے لئے ہو یا مسیح خداوند کے شیدائیوں میں سے سب سے زیادہ گمنام شخص کے لئے ہو یہ حقیقت ہمیشہ موجود ہے کہ مسیح مصلوب ہر وقت اور ہر زمانہ میں ہماری قوت اور ہمارا زور ہے جس میں اِن تمام رازوں کے معانی نہاں ہیں۔

لہٰذا ناظر اور اس کے تمام پیروؤں نے حددرجہ کی غلطی کی جب کہ اُنہوں نے کہا کہ "یہ پیغام مسیحی مذہب میں کچھ اہمیت نہیں رکھتا"۔ اور اس اعتبار سے بھی جس سے کہ اُن کی رائے کسی قدر صحیح ہے اُن کا خیال حد سے تجاوز کر گیا ہے کیونکہ بلا ریب وشک مسیحی مذہب عقیدہ وحدانیت کی تلقین تو کرتا ہے لیکن خدا کی رُوح کی خوردبین کے نیچے کیسی وحدانیت ہمیں وہاں نظر آتی ہے؟ ایسی وحدانیت جس میں ازلی باپ محبت اور پاکیزگی کی ازلی رُوح میں اپنے ازلی بیٹے کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

ہاں اور مسیحیت اخلاق اور اصولِ اخلاق کی بھی تلقین کرتی ہے۔ لیکن کیسے اخلاق اور اصولِ اخلاق؟ خدا کی بادشاہی کا ازلی و ابدی اخلاق۔ وہ اصولِ اخلاق جو اُس محبت اور قدسیت میں تکمیل کو پہنچتا ہے جس کی تحریک وہ طاقت خدا اور انسان کے شاہِ ممسوح کی زندگی ہے جو مصلوب ہوا اور تا ابد زندہ رہیگا۔